دشتِ تمنّا

تھے دشتِ تمنّا میں کچھ پھول بھی کانٹے بھی
کانٹے ہی ملے مجھ کو یہ میرا مقدر تھا

اس کتاب کو اردو اکیڈمی آندھرا پردیش نے ایک ہزار روپیہ
کے انعام سے نوازا ہے
(فوا سلم نشان ۳۰ ۱۲ / یوا ے /۷ ء مورخہ ۲۳/ نومبر ۱۹۴۳)

زبیدہ تحسین

بار اوّل	۵۰۰
تاریخ اشاعت وسنہ	۵ ر نومبر سنہ ۱۹۷۶ء
کتابت	محمد عارف الدین
سرورق	غوث محمد
تزئین کار	عظمت عبدالقیوم (نائب صدر محفل خواتین)
طباعت	نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چار کمان حیدرآباد ر ۲
ٹائیٹل پرنٹنگ	انتخاب پریس جواہر لال نہرو روڈ۔ حیدرآباد ر ۱
قیمت مجلّد	تین روپیہ
ناشر	محفل خواتین

ملنے کا پتہ :-

★ 960 - 3 - 8 - خیابان، امیر پیٹھ، حیدرآباد

★ نیشنل بک ڈپو۔ چار کمان، حیدرآباد

★ الیاس ٹریڈرس، شاہ علی بنڈہ۔ حیدرآباد

مصنف:- 7/600 - 9 - 17 عقب گورنمنٹ جونیر کالج، چنچل گوڑہ۔
چھاؤنی نادعلی بیگ، حیدرآباد

انتساب

میرے شوہر شیخ عبدالقادر صاحب (مرحوم)

اور دونوں بچوں

اکبر و عفت کے نام

زبیدہ تحسین

ترتیب

حرفِ اوّل — عظمت عبدالقیوم نائب صدر محفلِ خواتین — ۶
کچھ اپنے بارے میں — زبیدہ تحسین — ۷

منظومات :-

حمد	۱۰	زندگی جہدِ مسلسل ہی سہی	۱۱
کوئی کہہ دے یہ پردیسی صنم	۱۴	منزل گم گشتہ	۱۶
چمن کو دیکھ کے	۲۰	حاصل مدعا	۲۲
ایک شام	۲۳	کہاں ہم تم	۲۵
عظمتِ دکن	۲۶	•	

غزلیات :-

چاندنی کے چہرے	۲۸	وہی روز و شب	۲۹
ہم فرطِ خوشی میں	۳۰	دل و نظر میں	۳۱
اک نیا رنگ	۳۲	معصوم تمناؤں	۳۳
گھڑی ہو جائے	۳۴	وہی بجلیوں	۳۵
گلشن میں اک	۳۶	وقت کی ٹھنڈی ہوا	۳۷
نہ سراب ہوں	۳۸	ساحل سے	۳۹
اضطراب دل	۴۰	زخم دل	۴۱
کیا ستائے گا	۴۲	کس دل سے	۴۳
چراغِ آرزو	۴۴	نگاہوں میں خوشی	۴۵
کس کی ہوتی ہیں	۴۶	مرنے کا مجھے غم ہے	۴۷
اندھیروں سے	۴۸	فروغِ روشنی	۴۹

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
اب وہ دن ہیں	۵۰	بین کرتی پھر رہی ہیں	۵۱
مری رہ نوردیوں نے	۵۲	بجھتی نہیں	۵۳
ابھی تک زندگی	۵۴	سنتے تھے ہم کہ	۵۵
موسم ہے سازگار	۵۶	نظر میں منزلیں ہیں	۵۷
کائنات حسن میں	۵۸	دہراؤ نہ آنکھوں سے	۵۹
ایک احساس جواں	۶۰	زندگی مٹتی رہی ہے	۶۱
ابھی ہوتی ہوں	۶۲	باز آؤ نا	۶۳
ہوسِ گل نہ رہے	۶۴	ہر عشق کے حصہ میں	۶۵
تیرا نیاز عشق	۶۶	تلخیٔ انجام الفت	۶۷
کون ہے جس نے	۶۸	ہردم خیالِ وحشت	۶۹
گلوں کی بزم میں	۷۰	اس گردشِ دوراں میں	۷۱
تم گیسو کی طرح	۷۲	ہر جور ناروا کے	۷۳
غموں نے چھین لی	۷۴	وہ ہوس پرستی ہے	۷۵
چاندنی رات ہے	۷۶	آہ جیسے دل کے	۷۷
کچھ اس طرح خیال	۷۸	جلوے ترے ہوں	۷۹
ہر شمع بجھائی ہے	۸۰	ہم نے سوچا تھا	۸۱
کتنی خاموش ہے	۸۲	کون ہے اپنا	۸۳
ہوتی رہی ہے	۸۴	زندگی ساحل پہ	۸۵
دل میں کانٹا سا	۸۶	دل میں آ بستے ہو	۸۷
چراغ دل کے اب	۸۸	ابھی تک شعور	۸۹
کسی بستی کے	۹۰	مرنے کا مجھے غم	۹۱
ہر روز ہم پہ	۹۲	بہتے رہے آنکھوں سے	۹۳
چونکے نہ تھے	۹۴		

ہر انسان کے حصے میں غم بھی ہوتے ہیں اور خوشیاں بھی ۔ میرے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا ۔ جہاں میں نے خوشیوں کو ٹوٹ کر گلے لگایا وہیں غموں سے بھی آنکھیں ملائی ہیں کیونکہ ؏

تحسینؔ بغیر غم کے خوشی کامراں نہ تھی

میں نے اردو شاعری کی پسندیدہ صنف، غزل کے علاوہ نظمیں۔ رباعیات اور قطعات بھی کہے ہیں ۔

محترم ڈاکٹر زور (مرحوم) نے میرا مجموعۂ کلام سنہ ۱۹۵۶ء ہی میں ادارۂ ادبیات اردو کی جانب سے شائع کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا، لیکن میرے تغافل کی وجہ اشاعت سے رہ گیا ۔

اس مجموعۂ کلام کی اشاعت کے لیے سب سے پہلے میں "محفل خواتین" کی صدر محترمہ روڈا مستری کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ ان کے عہدِ صدارت میں میرا مجموعۂ کلام شائع ہو رہا ہے ۔ ساتھ ہی میں "محفل خواتین" کی سرگرم عمل وروح رواں نائب صدر محترمہ عظمت عبدالقیوم صاحبہ کی خاص طور پر شکر گزار وممنون ہوں کہ انھوں نے میرے ادبی وشعری تخلیقات کو یکجا کیا ۔ اور اس مجموعہ کی صورت گری واشاعت کے لیے شخصی دلچسپی لی ۔

جناب صلاح الدین نیرؔ کے تعاون کے لیے بھی میں شکر گذار ہوں ۔

زبیدہ تحسینؔ

17-9-600/7
عقب چنچل گوڑہ جونیر کالج
چھاؤنی نادعلی بیگ، حیدرآباد ۔ (اے ۔ پی)



زبیدہ تحسین

[مَنظُومَاتْ]

حمد

کہیں آدم کی عظمت کو نئی پرواز دی تو نے
کہیں آئینِ فطرت کو کلیدِ راز دی تو نے

کبھی خاموشیوں کو تو نے سکھلایا بیاں ہونا
شکستہ دل کے تاروں کو صدائے ساز دی تو نے

جہاں شعلوں کی ہستی کو ردائے شبنمی بخشی
وہیں دار و رسن کو ہمتِ جانباز دی تو نے

بنایا لالہ و گل کو اِدھر ہمراز گلشن کا
اُدھر کانٹوں کی فطرت کو ادائے راز دی تو نے

جو شب کے آستانے پر سلے ہیں رازِ سربستہ
سحر کے جشنِ فطرت کو ادائے باز دی تو نے

جنوں کو فوقیت بخشی خرد کی رہگذاروں میں
حریفِ غم کو جیسے قوّتِ اعجاز دی تو نے

زندگی جہدِ مسلسل ہی رہی

زندگی جہدِ مسلسل ہی رہی
شام اور صبح کی بے کیف حسیں راہوں پر
قافلے آس کے بڑھتے ہی رہے
ظلم کے سائے میں اور جبر کے انگاروں پر
ایک بھٹکے ہوئے راہی کی طرح
زندگی ٹھوکریں کھا کھا کے رہی گرمِ سفر
ذہنِ معصوم جلاتا ہی رہا
اپنے ارمانوں تمناؤں کے لیے رنگ چراغ
لیکن اے دوست ابھی
زندگی پا نہ سکی چاند ستاروں کی ضیاؔ
ظلم کی آگ سہی قہر کی شدت ہی سہی
جبر اور ظلم کی مسموم فضاؤں کی قسم
اے مرے جذبۂ جنوں
زندگی جہدِ مسلسل ہی رہی

(۲)

حسرت و یاس میں ڈوبے ہوئے معصوم عوام
ساز احساس کے نازک سے حسین تاروں پر
بھوک کے گیت سناتے ہی رہے
شدّتِ درد سے روتے ہی رہے
پھر بھی یہ آہ و بکا رنج و الم
دولت و حسن کے احساس کو گرما نہ سکے
کھیتیاں لٹتی رہیں محنتیں بکتی رہیں
بھوک کی آگ جلی
اور جلی اور جلی
زندگی جہدِ مسلسل ہی رہی

(۳)

سالہا سال سے کچلے ہوئے معصوم عوام
ڈال ہی دیں گے ستاروں پہ کمند
بسترِ مرگ سے اٹھ اٹھ کے لہو روتے کہاں
آج دھرتی کے ہر اک گوشے میں

پرچمِ امن و محبت کو وہ لہرا دیں گے
اور پھر زیست کی ان نقرئی افسانوں میں
بے بسی سایہ فگن اب نہ رہے گی اے دوست
ظلم اور جبر کی اب رات ڈھلی جاتی ہے
دیکھ وہ صبح کی دیوی کی نرالی سج دھج
زیست کی شورشِ پیہم کا پتہ دیتی ہے
پھر بھی اے جذبِ جنوں
زندگی جہدِ مسلسل ہی رہی
زندگی جہدِ مسلسل ہی رہے گی ہر دم

کوئی کہہ دے یہ پردیسی صنم سے

کوئی کہہ دے یہ پردیسی صنم سے
نہ آئیں گر کوئی موسم نہ آئے

نہ پنگھٹ پر کنواری کوئی آئے
نہ بنسی کی صدا دل کو لبھائے

نہ چھلکے مستی آنکھوں سے کسی کی
نہ گوری کوئی گھونگھٹ میں لجائے

کرن چومے نہ سورج کی زمیں کو
دھنک کیوں آسماں پر مسکرائے

جنوں پرور ہوائیں بھی نہ آئیں
پپیہا بھی کوئی بن میں نہ گائے

کبھی کھیتوں میں سرسوں بھی نہ پھولے
نہ شب میں چاندنی بھی گنگنائے

نہ بدرا آئے وہ بیری کہیں سے
بہاروں کا سندیسہ بھی نہ لائے

نہ آموں پر سکھی کوئل ہی بولے
منڈیروں پر کوئی کاگا نہ گائے

نہ ہی رادھا نہ ہی کرشن مراری
نہ شاہا اور نہ ہی ممتاز آئے

کوئی کہہ دے یہ پردیسی صنم سے
نہ آئیں گر کوئی موسم نہ آئے

منزلِ گُم گشتہ

یہیں پیڑوں کے سائے میں مرا بھی آشیانہ تھا
اِسی بستی کی راہوں میں مرا بھی آنا جانا تھا

یہاں کا ذرّہ ذرّہ آشنائے رازِ فطرت تھا
یہاں کا لمحہ لمحہ میری افتادِ طبیعت تھا

یہاں تنہائیوں میں بھی مری محفل سجتی تھی
یہاں پر زندگی میری نئی کروٹ بدلتی تھی

مری صبحِ تمنّا روز یوں ہی مُسکراتی تھی
مری شامِ الم میرے لیے آنسو بہاتی تھی

یہیں سے ابتدائے زندگی کی بات نکلی تھی
یہیں سے انتہائے زندگی تک بات پہنچی تھی

انھیں پگڈنڈیوں پر آکے میں اکثر بکھرتی تھی
اسی پٹری پہ جب بے ساختہ گاڑی گزرتی تھی

غمِ ہستی سے گھبرا کر یہاں میں آ نکلتی تھی
انہی راہوں میں تنہا زندگی کے ساتھ چلتی تھی

یہاں قربت تھی ویرانوں سے کھیتوں سے رفاقت تھی
یہاں کی لہلہاتی کھیتیوں سے مجھ کو رغبت تھی

سکوں پرور نظاروں کو مری آنکھیں بھگوتی تھیں
مری بے چینیاں آ کر یہاں آسودہ ہوتی تھیں

مجھے کیا کیا ملا قدرت کے اِن رنگیں نظاروں سے
مجھے کیا کیا ملا رنگین پھولوں کی بہاروں سے

یہیں پر بے زبانی کو ملی اکثر زباں میری
یہیں پر سبزہ زاروں نے سُنی ہے داستاں میری

مسلسل میری پلکوں پر کئی آنسو ٹھہرتے تھے
مری بربادیوں پر خار و خس افسوس کرتے تھے

یہیں خورشید کی ذرّہ نوازی میں نے دیکھی ہے
یہیں پر چاندنی کی سرفرازی میں نے دیکھی ہے

اسی مٹی پہ نام اپنا میں لکھ لکھ کر مٹاتی تھی
اسی مٹی پہ شاید اک نئی دنیا بساتی تھی

یہیں افکارِ تازہ ذہن میں کروٹ بدلتے تھے
یہیں نغمے مرے ہونٹوں پہ آ آ کر مچلتے تھے

یہیں رنج و الم کی آگ کو میں نے بجھایا ہے
یہیں میں نے دلِ خاموش کو پہروں منایا ہے

مزہ پھولوں کا ملتا تھا مجھے ان سبزہ زاروں میں
نہیں ہوتی تھی افسردہ جنوں کی رہ گزاروں میں

بہاروں میں خزائیں ہی تھیں جو پیغام لاتی تھیں
کئی سوغاتیں دردِ دل کی میرے نام لاتی تھیں

یہاں کی چاندنی راتیں مرے دل کو جلاتی تھیں
عجب انداز سے یہ رازِ فطرت کے بتاتی تھیں

سوالی بن کے میں ہر ایک خطّے میں بھٹکتی تھی
مری تنہائی گلشن کے ہر اک گوشے میں ملتی تھی

یہاں پر بے لبی کا کچھ فزوں احساس ہوتا تھا
مجھے تنہائیوں کا پھر بھی کتنا پاس ہوتا تھا

مہک پھولوں کی ہوتی تھی یہاں کے خارزاروں میں
عجب خوشبو سی ملتی تھی یہاں تازہ بہاروں میں

یہیں آموں کا بچپن کونپلوں کی کوک ہوتی تھی
میرے دُکھتے ہوئے دل میں بلا کی ہوک ہوتی تھی

گرائے تھے یہیں پیڑوں نے کچی کیریاں مجھ پر
گرائی تھیں یہیں شاخوں نے گدری املیاں مجھ پر

یہیں رادھا یہیں سیتا، زلیخا اور مریم کے
ہزاروں روپ ہوتے تھے مرے آگے مرے غم کے

یہیں عبرت سے دیکھا تھا سماں گورِ غریباں کا
یہیں دیکھا تھا میں نے سلسلہ شہرِ خموشاں کا

مجھے لگتا ہے جیسے ان نظاروں نے صدا دی تھی
مجھے روتا ہوا دیکھا تو ہنسنے کی دُعا دی تھی

یہیں الھڑ ہواؤں نے مری زلفوں کو چھیڑا تھا
امنڈتے بادلوں نے بھی مجھے آ کے گھیرا تھا

یہیں برگد کے پیڑوں نے ترانے سے سنائے تھے
یہیں پیپل نے شبنم کے بھی موتی لٹائے تھے

یہیں کچھ سوچ کر آنکھیں ہمیشہ بھیگ جاتی تھیں
کئی باتیں مجھے بھولی ہوئی سی یاد آتی تھیں

چمن کو دیکھ کر

دیکھنا وہ عشقِ پیچاں بھی ہے لہرائی ہوئی
ہر طرف سبزہ پہ ہے مستی سی اک چھائی ہوئی

پھول پر شبنم کے قطروں سے ہے موتی کا گماں
مرمریں سے حوض میں ہے پیاری پیاری مچھلیاں

نیم وا نرگس کا منظر بھی ہے کتنا دل نشیں
ایک دوشیزہ کی آنکھیں جیسے ہوں کچھ شرمگیں

وہ بڑا سا خوبصورت پھول ہے شاہِ چمن!
برچھیاں تانے جلو میں خار ہیں سایہ فگن

گونج ہے بھنوروں کی یا شہنائی ہے بجتی کہیں
بڑھ رہا ہے روح کا ذوقِ سماعت آفریں

اک سماں باندھے ہوئے ہیں کالی کالی بدلیاں
پھول پر بھنورے کہیں ہیں اور کہیں ہیں تتلیاں

جنّتُ الفردوس کی ہیں اس چمن میں جھلکیاں
دُور ہوتی ہیں یہاں پر زندگی کی تلخیاں

پھول کچھ ہنستے رہے کچھ پھُول مرجھاتے رہے
بے ثباتی پہ وہ تحسیںؔ غور فرماتے رہے

حاصلِ مدعا

دشمن ہیں گو کہ غم میں دل آرائیاں تری
کشتی کا غم کی پھر بھی سہارا تہی تو ہیں
طوفاں کی شورشوں میں کنارا یہی تو ہیں
اپنا مداوا آپ ہیں غمخواریاں تری

حاصل بناؤں غم کا ترے انتظار کو
بے چارگی ہے درد ہے حسرت ہے یاس ہے
تیری جفا دل پر بھی مجھے تیرا پاس ہے
آئے گا یوں قرار دلِ بے قرار کو

میں بزمِ دل میں یاد کی شمعیں جلاؤنگی
الفت کی زندگی کا فسانہ یہی تو ہے
پامال حسرتوں کا خزانہ یہی تو ہے
کہتا ہے کون یہ کہ تجھے بھول جاؤنگی

یوں دل میں حشر بن کے سمایا ہوا ہے کون
کس نے سکونِ دل کو کیا منتشر مرے
کس نے وفا نے آکے کیا دل میں گھر مرے
میرے تخیلات پہ چھایا ہوا ہے کون

میں انتہائے یاس میں بھی مسکراؤنگی
کیا ہے خوشی نہیں جو مرا غم تو ساتھ ہے
مرنا کسی کی یاد میں قسمت کی بات ہے
ہوں لاکھ غم بھی دل میں نہ میں لب پہ لاؤنگی

یوں ہر قدم پہ شمعِ تمنا پگھل گئی
ہاں کچھ نہ پوچھ حالتِ غم چارہ گر نہ پوچھ
کیفِ گداز و لذتِ سوزِ جگر نہ پوچھ
غم کیا ملا کہ شوق کی دنیا سنبھل گئی

میں نے سبق وفا کا لیا ہے وفا سے آج
حاصل ہے مدعا دلِ بے مدعا سے آج

ایک شام

معصوم سا وہ جذبۂ دل کا مرے ہنگام
وہ رنگ میں ڈوبی ہوئی دھندلائی سی اک شام

وہ جھوم کے اُٹھی ہوئی ساون کی گھٹائیں
ساقی کی نگاہوں کے چھلکتے ہوئے وہ جام

افسردہ نگاہوں میں کئی دل کے فسانے
اک آنکھ کی گردش میں کئی نامہ و پیغام

پھر تجھ کو سرِ راہ صدا دی ہے یہ کس نے
پھر یاد وہ آنے لگے گزرے ہوئے ایام

خاموش نواؤں کو مِلا اذنِ تکلّم!
گھٹنے لگا اک بار فروغِ غمِ ایّام،

جیسے کہ سمٹنے لگے بکھرے ہوئے سپنے
بڑھنے لگا پھر ذوقِ طلب پرسشِ اصنام

دل جذبِ مسرّت کی حرارت سے گرانبار
آنکھوں سے عیاں شکوۂ بے مہریِ ایّام

سمجھا تھا کہ ترسی ہوئی شب ہو گئی آخر
میخانے میں ہر فرد ابھی تک ہے تہی جام

شب کاٹی تھی تحسین کہ ہوتی ہے سحر اب
اِس صبح سے اچھی تھی وہ اُمید کی ہر شام

کہاں ہو تم!

کئی بھولے فسانے یاد آتے ہیں کہاں ہو تم
صنوبر کے خنک سائے بلاتے ہیں کہاں ہو تم

جنوں پرور ہواؤں نے وہی چھیڑا ہے پھر نغمہ
"شبِ غم کے نظارے دل دکھاتے ہیں کہاں ہو تم"

مہِ نو اب بھی ہنستا ہے فلک پر ماہ پاروں میں
نہیں آتے مگر تم یاد آتے ہو کہاں ہو تم

تمہیں ذہنوں کی تاریکی میں جب ہم پا نہیں سکتے
سرِ مژگاں کئی دیپک جلاتے ہیں کہاں ہو تم

وہی اٹکھیلیاں کرتے ہوئے ظالم نظارے ہیں
اُسی انداز سے پھر مسکراتے ہیں کہاں ہو تم

جو لمحے پاسباں تھے دو دلوں کے ایک مدت تک
وہ لمحے پھر نہیں واپس بلاتے ہیں کہاں ہو تم

یہ انگوروں کے خوشے اور یہ نازک حسیں بیلیں
لچکتے، لہلہاتے، گنگناتے ہیں کہاں ہو تم

زمیں کو چوم لیتی ہیں سنہری چاند کی کرنیں
فلک پر چاند تارے مسکراتے ہیں کہاں ہو تم

شفق پر شام کا منظر نویدِ شوق دیتا ہے
کنارے مل کے تحسیں مسکراتے ہیں کہاں ہو تم

●

محترمہ عظمت آپا کے لیے !!
(ان کے خلوص کے اعتراف میں)

عظمتِ دکن

اک اور عظمتِ شیریں بیاں ہیں محفل میں
حسیں، خلوص کا پیکر ہیں کم سخن ہیں آپ

غزل سرائی میں ان کو کمال حاصل ہے
غلط نہیں جو کہوں عظمتِ دکن ہیں آپ

[غزلیات]

چاندنی کے چہرے پر یہ دھواں دھواں کیوں ہے
"اب بھی شاہراہوں پر درد کی دکاں کیوں ہے"

روشنی کے ہالے میں رقص ہے جنوں پرور
یوں اڑا اڑا لیکن رنگِ گلستاں کیوں ہے

پستی و بلندی کا فرق کیوں نہیں مٹتا
ایک حدِ فاصل سی اپنے درمیاں کیوں ہے

ضرب اب بھی لگتی ہے دل کے آبگینوں پر
زخمِ دل مہکتے ہیں، بے زباں زباں کیوں ہے

اک مہیب سناٹا ہر قدم ڈراتا ہے
سامنے نگاہوں کے ریت کا مکاں کیوں ہے

دھندلے دھندلے اب بھی ہیں ذہن و دل کے آئینے
ہر نقیبِ صبحِ نو شب کا راز داں کیوں ہے

دور دور چلتا ہے ہم سے اپنا سایہ بھی
ہم وجودِ تنہا ہیں وہ کشاں کشاں کیوں ہے

کتنے گل مہک اٹھے یک دلی سے گلشن میں
پھر ورق ورق چیدہ اپنی داستاں کیوں ہے

وہی روز و شب کا افسوں وہی رات کی سیاہی
نہ نقیبِ صبح نو تو نہ تو نور ہے نہ ناری

نہ فریبِ زخم خوردہ، نہ خیالِ صبح گاہی
کہیں تو نے جیت لی تھی وہیں ہار دی ہے بازی

ترا دعویٔ محبت ترا جذبِ جاں نثاری
مرے واسطے نہیں یہ کوئی جذبِ سرفرازی

کہیں منزلوں کا جویا کہیں صرف عشق سازی
کہ رہینِ عاشقی میں نہیں خوئے دل نوازی

کہاں کوہ کن نے جانا کہاں قیس نے پکارا
میں ہوں سجدۂ محبت میں ہوں عشق کا نمازی

نہ یہ دعویٔ محبت کرے کوہ کن کو رسوا
نہ غرور کی حدوں کو کہیں چھوئے بے نیازی

مجھے جام جم سے نسبت نہ ہی نسبت سکندر
میں ہوں بازگشت تحسیں نہ ہی حافظِ شیرازی

ہم فرطِ خوشی میں ہنستے ہیں پر تشنہ لبی یہ کہتی ہے
آنکھوں سے جو نکلیں آنسو بھی تکمیلِ مسرّت ہوتی ہے

گر جان کی بازی لگ جائے کیا چیز ہے اہلِ دل کے لیے
اللہ رے یہ ہے طرزِ وفا کس درجہ نزاکت ہوتی ہے

گو لاکھ کرے تاویل کوئی اپنا تو یہ ایماں ہے ہمدم،
جس پیار میں شامل ہو جو ہوس اس پیار سے نفرت ہوتی ہے

وہ دل ہے حریمِ نازِ دل جو دل کو تڑپ کر تڑپا دے
اس درد میں حِدّت ہوتی ہے اس درد میں لذّت ہوتی ہے

دامن نہ بچا تو گلشن میں کانٹوں سے تکلّف کیا معنی
گر پھول سے رغبت ہو تجھ کو کیا خار سے نفرت ہوتی ہے

وہ شیشہ حیراں ہو تجھ میں خود شیشہ کو جس پر رشک آئے
کچھ اور رہینِ جلوہ ہو آئینے کو حسرت ہوتی ہے

دل و نظر میں رہے تم بہ اہتمام رہے
سحر کا نور رہے ہو چراغِ شام رہے

بنا بنا کے بگاڑی ہیں چند تصویریں
خیالِ خام کے خاکے خیالِ خام رہے

سکوں ملا ہی نہیں دل کو ویسے اک لمحہ
سکوں سے گزرے جو لمحے تمہارے نام رہے

گھُٹے گھُٹے سے وہ آنسو دبی دبی آہیں،
نہ جانے کس طرح راتوں کا اہتمام رہے

رہا وہ قیس کا قصہ کہ کوہکن کی بات
خلوصِ دل کے فسانے بہت ہی عام رہے

جنوں کی بات کہی ہم نے یا خرد کی کہی!
وہ دو گھڑی جو کبھی ہم سے ہمکلام رہے

نشاطِ کیف کی گھڑیاں کہاں رہیں تھیں
غمِ حیات کے لمحے مگر دوام رہے

اک نیا رنگ نیا دور ہے میخانوں میں
انقلابات کی تصویر ہے پیمانوں میں

نور بھی نار بھی ہے قلب کے ارمانوں میں
سوز بھی ساز بھی ہے شوق کے افسانوں میں

زندگی زہر دیا تو نے کئی بار مگر!!
ہوش پھر بھی ہے سلامت ترے دیوانوں میں

ڈھل گئی رات وہ آیا ہے اُجالے کا سفیر
آگ لگ جائے گی اب ظلم کے ایوانوں میں

بحرِ ہستی میں کبھی شورِ تلاطم سے نہ ڈر
موتیاں ملتی ہیں بپھرے ہوئے طوفانوں میں

معصوم تمناؤں کی خاطر شکنی ہے
ہر عشق کے حصے میں ابھی تیشہ زنی ہے

جو کل تھی یہاں رسمِ جفا اب بھی وہی ہے
ہر اہلِ وفا قابلِ گردن زدنی ہے

زاہد نے اِدھر چھین لی گفتار کی طاقت
عالم کی نظر قاتلِ دل گیر بنی ہے

فطرت کا تقاضہ ہے مصائب سے نہ گھبرا
مانا کہ خوشی اور الم میں بھی ٹھنی ہے

کیا چیز یہ اندیشۂ فردا ہے اے تحسینؔ
رہبر کی ہر ایک چال میں گمراہ زنی ہے

گہری ہو جائے نہ یہ آپ کے ماتھے کی شکن
میرا کیا ہے مجھے کچھ دیر تڑپ لینے دو

آپ کی چارہ گری موجبِ تسکیں ہو گی
دل کے زخموں کو ذرا، اور ہوا دینے دو

جھوٹی عزت کی قسم لفظ شرافت کی قسم
ہر اک الزام مجھے اپنے ہی سر لینے دو

خواہشِ مرگ ہوئی جاتی ہے توہینِ حیات
ظلم کی چھاؤں میں کچھ دیر ٹھہر لینے دو

خون روتی ہوں سمجھتی ہوں بھرم کی قیمت
زندگی خار بداماں ہے ابھی جینے دو

کوئی قیمت نہ سہی اشکِ رواں کی تحسیں
انھیں آنچل میں مرے جذب تو ہو لینے دو

وہی بجلیوں کی چشمک وہی تیرا آشیانہ
کہ ادھورا رہ نہ جائے کہیں زیست کا فسانہ

وہی میری دردمندی وہی تیری بے نیازی
نہ یہ راہ و رسم بدلیں جو بدل گیا زمانہ

نہ وہ شام کا ترانہ، نہ وہ لطفِ صبح گاہی،
وہی راہِ رہ نوردی، وہی زیست کا فسانہ

مرا راز لفظِ کُن میں، تیری ذات ہے ابد تک
تری بات ہے حقیقت، مری زندگی فسانہ

ہے ازل سے تو ابد تک نہ سمجھ سکے گا کوئی
ترا حسن غائبانہ، مرا عشق غائبانہ

گلشن میں ابھی جشن کا ہنگام نہیں ہے
گردش میں ابھی گردشِ ایّام نہیں ہے

پھینکی تو ہیں ہم نے کبھی ستاروں پہ کمندیں
پرواز ابھی اپنی لبِ بام نہیں ہے

ہر گوشہ چمن کا مجھے مقتل سا لگا ہے
ڈھونڈے سے بھی قاتل کا کہیں نام نہیں ہے

کلیوں کے لبوں پر ابھی پھیکا ہے تبسم
پھولوں میں ابھی نامہ و پیغام نہیں ہے

ہے تیز بہت قافلۂ صبحِ بہاراں
آغاز تو ہر چیز کا، انجام نہیں ہے

وقت کی ٹھٹھری ہوئی نبض رواں ہو جائے
تیری زنبیل میں وہ رطلِ گراں ہے اے دوست

رات گزری ہے مگر رات کے سائے ہیں وہی
ہر قدم آج بھی بے نام و نشاں ہے اے دوست

وقت کے جلتے ہوئے زخم کا مرہم بن جا
تیری جانب یہ زمانہ نگراں ہے اے دوست

ان مہکتے ہوئے جنّت سے خیابانوں میں
زندگی سوزِ دروں، شعلہ فشاں ہے اے دوست

دیپ پلکوں پہ جلاتی ہوں سحر کی خاطر!
میری آنکھوں سے کہاں سیلِ رواں ہے اے دوست

نہ سراب ہوں نہ یقین ہوں میں ہر ایک طبع پہ بار ہوں
نہ خزاں کا روپ ہی ہے مرا نہ چمن میں فصلِ بہار ہوں

نہ بلندیٔ غمِ عشق ہوں، نہ میں پستیٔ دلِ زار ہوں
میں جہانِ رنگ و نور میں نہ خرام ہوں نہ قرار ہوں

نہ کسی کے دل کی میں آس ہوں نہ کسی نظر کی تلاش ہوں
نہ سکوتِ بزمِ خیال ہوں نہ فسونِ چشمِ بہار ہوں

نہ میں بحرِ غم میں ہوں غوطہ زن نہ میں ساحلوں کی پناہ میں
ابھی زندگی تری راہ میں نہ میں جیت ہوں نہ میں ہار ہوں

پھر سحر فسردہ چمن چمن یہ دل و نظر میں تھکن تھکن
نہ میں پستیٔ غمِ دہر ہوں نہ ہی میں بلندیٔ دار ہوں

ساحل سے طبیعت گھبرائی موجوں میں سفینہ چھوڑ دیا
جینے کی لگن میں ہم ہی نے جینے کا قرینہ چھوڑ دیا

دامن میں لگائی آگ اِدھر اب ان کے کرم کو کیا کہیے
طوفان کا رُخ تھا جس رُخ پر کشتی کا اُدھر رُخ موڑ دیا

تھے ساتھ اسیرِ فصلِ جنوں، راہوں میں نہ جانے کیا گزری
کیا کہیے کہ کس نے ساتھ دیا کیا کہیے کہ کس نے چھوڑ دیا

جینے نہ دیا اپنوں نے ہمیں یوں زور بھی دل پر چل جاتا
کچھ بات ہی ایسی تھی ہم نے اِک شیشۂ دل بھی توڑ دیا

چاہا نہ ہمیں نے ورنہ یہ سب چاند ستارے جھک جاتے
کچھ وجہِ سکونِ دل کے لیے ہم نے وہ سہارا چھوڑ دیا

نازک تھا بہت گلشن کا چلن نازک تھا بہت آئینِ چمن
پھولوں کی تمنا ہم نے نہ کی کانٹوں ہی سے رشتہ جوڑ دیا

رو رو کے گزاری شب ویسے جب صبح چمن میں آنکھ کھلی
احبابِ وطن نے اے تحسینؔ میخانۂ یاراں چھوڑ دیا

زخمِ دل اب بھی چٹک جاتے ہیں غنچوں کی طرح
عہدِ ماضی کو تصوّر نے پکارا تو نہیں

بے خودی میں کبھی اک آہ نکل جاتی ہے
کوئی باقی کہیں اُلفت کا شرارہ تو نہیں

دل کی اجڑی ہوئی دنیا میں بہاریں کیسی
اُس نے اِس بزمِ تصوّر کو سنوارا تو نہیں

بزمِ اُلفت میں ہیں محرومِ تمنّا بھی کئی
"ہر سفینے کے مقدّر میں کنارا تو نہیں"

کبھی آنکھوں کو بھی دیدار سے رونق بخشیں
صرف اک یاد ہی جینے کا سہارا تو نہیں

میرے اشکوں کی مسلسل یہ روانی توبہ!
کہیں جذبات کا بہتا ہوا دھارا تو نہیں

غم کی شدّت ہے مگر پھر بھی سکوں در آغوش
کہیں گرداب میں پوشیدہ کنارا تو نہیں

کبھی آجائیں سیہ خانے میں تحسینؔ اپنے
اک تصوّر ہی امیدوں کا سہارا تو نہیں

اضطرابِ دل میں بھی مجھ کو سکوں ملتا نہیں
اور سکونِ دل سے بھی جیسے کہ گھبرائی ہوں میں

راہ سے بھٹکے ہوئے راہی کی طرح بار بار
بے خودیٔ شوق میں منزل سے بڑھ جاتی ہوں میں

دشمنِ دل دشمنِ اہلِ وفا سے آج بھی
پاسِ دل پاسِ وفا کا عہد کر جاتی ہوں میں

جوششِ گریہ سے کبھی جوششِ مسرت سے کبھی
کوئی بہلاتا نہیں ہے اور بہل جاتی ہوں میں

چوٹ جب لگتی ہے دل پر مسکرا دیتی ہوں میں
اس دلِ وحشی کو اکثر یوں بھی بہلاتی ہوں میں

ضبطِ غم پر آگیا ہے، مجھ کو اتنا اختیار
پُر سکوں ہونے کی شاید پھر قسم کھاتی ہوں میں

کیا ستائے گا خروشِ آرزوئے دل مجھے
بے خودیٔ شوق رہنے دے اگر غافل مجھے

شعلۂ بے باک ہوں گردِ رہِ منزل نہیں
کیوں ڈراتا ہے خیالِ دوریٔ منزل مجھے

دل کو تجدیدِ شکیبائی گوارہ بھی نہیں
اب کہیں لے چل تو ہی اے اضطرابِ دل مجھے

اس فریبِ شوق کی حیرت نوازی کے نثار
بحرِ بے پایاں نظر آتا ہے اب ساحل مجھے

احتیاطِ ضبطِ گریہ بھی سکوں دشمن ہوئی
ہر نفس سے آ رہی ہے پھر فغانِ دل مجھے

اب تمنائے خوشی و سرخوشی کا ذکر کیا
غم نظر آتے ہیں سارے زیست کا حاصل مجھے

کیسی منزل کون رہبر سب فریبِ شوق ہے
ہاں یونہی بہلائے جا تو اے فریبِ دل مجھے

اس جنونِ شوق کی تحسیں غلط اندیشیاں
امتیازِ حق و باطل تو نہ تھا مشکل مجھے

کس دل سے تجھ کو چھوڑ دیا شہرِ آرزو
سجدے کئے ہیں ہم نے کبھی تیرے رُوبرو

خوش ہو کے دیکھتے رہے سب زخمِ آرزو
جلتی رہی ہے شمعِ تمنّا لہو لہو

ہر بار تجھ سے مل کے رہے اجنبی سے ہم
کچھ اور دُور لے گئی ، منزل کی جستجو

غنچے کھلے ہیں باغ میں کلیاں چٹک گئیں
ہر دور میں ہمیں رہے پھولوں کی آبرو

کشتی بھنور میں ڈال دی اب دل کی خیر ہو
تیرا خیال کیا ہے بتا موجِ تُندخو

پھیلی رہیں جنوں کی مرے اور وسعتیں
صحرا نوردیوں کو ہے طوفاں کی جُستجو

آئینۂ خیال پہ ہے گردِ وقت کی
اب بھی رہے ہیں سامنے میرے وہ ہُوبہو

کہلائے پھر بھی منکرِ رسم و رواج ہم
ہر طوقِ زندگی کو کیا حلقۂ گلو

بے مہریٔ حیات کی تلخابیاں نہ پوچھ
پیاسی گھڑی ہے دیر سے تحسینؔ اب جو

چراغِ آرزو مدّھم رہا ہے آنکھوں میں
سکوتِ جذبۂ پیہم رہا ہے آنکھوں میں

اُسے تراش لیا سو طرح تصوّر نے
"وہ ایک شخص جو کم کم رہا ہے آنکھوں میں"

وہ میری کیفیتِ جذبِ خُود فراموشی
ترے نیاز کا عالم رہا ہے آنکھوں میں

ترے خیال کی ٹھنڈک ترے فراق کی آنچ
خوشی کی طرح مرا غم رہا ہے آنکھوں میں

ٹھہر سکا نہ نگاہوں میں خُوبرو، کوئی،
وہ ایک حُسنِ مجسّم رہا ہے آنکھوں میں

کبھی جنون کی صورت کبھی خرد کی طرح
عُروجِ عظمتِ آدم رہا ہے آنکھوں میں

[illegible]
[illegible]

مزاجِ وقت نے یوں بھی ستم کئے تھیں،
ترا وجود بھی مبہم رہا ہے آنکھوں میں

نگاہوں میں خوشی کی کیا کوئی تنویر بھی دیکھی
فقط یونہی فسردہ سی کوئی تحریر ہی دیکھی

مسرّت کا نگاہوں میں کوئی طوفاں نہیں دیکھا
جو دیکھی آپ نے پھوٹی ہوئی تقدیر ہی دیکھی

نہیں احساس شاید کچھ تمہیں میری وفاؤں کا
کہ دیکھی جب کبھی تم نے فقط تقصیر ہی دیکھی

بقدرِ غم، خوشی بھی دیکھ لیتے میری آنکھوں میں
مصوّر کو نہ دیکھا اور فقط تصویر ہی دیکھی

وہ دن بھی یاد ہیں جب دل تڑپ کر زیرِ دام آیا
اسیرِ عشق نے کٹتی ہوئی زنجیر بھی دیکھی

ڈبوئی زیست کی کشتی کرم نے ناخداؤں کے
وفا کی پائمالی شوق کی تحقیر بھی دیکھی!

طلوعِ صبحِ خنداں اور وداعِ شامِ غم دیکھا
جو تھیں خواب دیکھا تھا وہی تعبیر بھی دیکھی

کس کی ہوتی ہیں منتظر آنکھیں
کس کو تکتی ہیں رہگذر آنکھیں

ظلمتِ شب میں روز جلتی ہیں
جیسے قندیل سربسر آنکھیں

نیند راتوں کی دل کا صبر و سکوں
لوٹ لیتی ہیں فتنہ گر آنکھیں

خشک گر ہو گئیں تو ساحل ہیں
ہوں جو پُرنم تو بحر و بر آنکھیں

کتنے جذبوں کی ترجماں ہیں یہ
ہیں محبّت میں نامہ بر آنکھیں

خُوب کہتے ہیں لوگ آنکھوں کو
ہم نے دیکھی ہیں خوب تر آنکھیں

دفعتاً آ گئیں خیالوں میں
بن گئیں تھیں چارہ گر آنکھیں

مرنے کا مجھے غم ہے نہ جینے کی خوشی ہے
یہ زندگی کس موڑ پہ اب آ کے رُکی ہے

اک فرق سا دامن میں گریباں میں ابھی ہے
شاید کہ ابھی جذبِ محبّت میں کمی ہے

کیفیتِ شعلہ بھی ہے شبنم بھی ہے دل میں
ہونٹوں پہ تبسّم ہے نہ آنکھوں میں نمی ہے

آباد ہے اک درد کی دُنیا مرے دل میں
کھلتا نہیں کب اور کہاں چوٹ لگی ہے

اک شخص کہ برسوں کا شناسا جو رہا ہے
اس شخص کی ہر بات ابھی تک بھی نئی ہے

دیوانے کا تم نے جو مجھے نام دیا ہے!
اس نام سے دُنیا مجھے پہچان رہی ہے

وہ نقشِ وفا ہم سے مٹائے نہیں جاتے
آئینۂ ادراک پہ کچھ گرد جمی ہے

موسم ہے بہاروں کا مگر جشنِ خزاں ہے
جلتے ہیں ابھی قلب و نظر آگ لگی ہے

اندھیروں سے اُجالے جگمگائے
بہت رو رو کے ہم بھی مُسکرائے

چراغِ زندگی تک کانپ جائے
کوئی اتنا نہ اب دل کو دُکھائے

خطائیں بھی تو جُزوِ زندگی ہیں
کہاں تک کوئی دامن کو بچائے

تلاشِ سرخوشی میں ہم چلے تھے
گھنیرے ہو گئے ہیں غم کے سائے

نبھایا تم نے یوں عہدِ وفا کو
کبھی دُوری کبھی تم پاس آئے

کوئی گُلشن کوئی بستی کہ صحرا
نظارے کب ہمیں یہ راس آئے

زمانے کی نگاہوں سے بچا کر
تمہارے درد کی سوغات لائے

تصوّر نے کہاں پہنچا دیا ہے
ہزاروں رُوپ میں تم یاد آئے

سلامت وحشت پیمائی اے تحسینؔ
کوئی ہنس ہنس کے پھر تم کو بلائے

فروغِ روشنیٔ شمع انجمن ہیں آپ
بہاریں جس پہ ہوں قربان وہ چمن ہیں آپ

مرے خیال کی پہنائیاں مہک اٹھیں
گلاب کہیے کہ نسرین و نسترن ہیں آپ

ہماری بزم کو ہم میکدہ بھی کہتے ہیں!
ہمارے بادہ و ساغر میں موجزن ہیں آپ

گداز صندلی باہیں مہکتے عارض و لب
ہزاروں شوخ حسینوں کا بانکپن ہیں آپ

گھٹائیں زلفوں کو، آنکھوں کو میکدہ کہیے
لچکتی شاخِ صنوبر ہیں گلبدن ہیں آپ

کبھی حیات کی گرمی کبھی نظر کا ثبات
نئے سبو میں کہیں بادۂ کہن ہیں آپ

گلوں کو ناز ہے گلشن میں پیشوائی پر
ہر ایک پھول کھلا ہے کہ خندہ زن ہیں آپ

اب وہ دن ہیں نہ وہ راتیں نہ وہ حالات اپنے
زندگی لگتی ہے ٹوٹے ہوئے خوابوں کی طرح

کوئی تفریق نہیں برتی ہے، گلشن میں کبھی
ہم نے کانٹوں کو بھی چاہا ہے گلابوں کی طرح

اس طرح اجڑے ہیں آباد خرابے میں ندیم
ہے گماں خود پہ کہ ہیں خانہ خرابوں کی طرح

زندگی پھول سہی فتنۂ دوراں کی قسم
زیست کی سطح پہ ٹوٹے ہیں حبابوں کی طرح

تم تصور کے تراشے ہوئے پیکر ہو وہی
جس کو ہر رنگ میں دیکھا ہے سرابوں کی طرح

اُسے دیکھا اُسے سمجھا اُسے برتا تحسیں!
زندگی پھر بھی رہی بند کتابوں کی طرح

بین کرتی پھر رہی ہے نکہتِ صبحِ وطن
زندگی کو ڈھونڈتی ہے زندگی کی انجمن

کون سی رُت تھی سماں کیا تھا خبر مجھ کو نہیں
ایک مدت ہو گئی اُجڑے ہوئے دل کا چمن

جس طرح کلیاں چٹکتی ہیں نسیمِ صبح سے
اس طرح مجھ سے مخاطب ہے کوئی غنچہ دہن

کل اَنا الحق کی صدا منصور کی آواز تھی
آج ہر منصور کے حصّے میں ہے دار و رسن

شورشِ انوار میں ظُلمت کے سائے ہیں ابھی
سونا سونا لگ رہا ہے صبحِ نو کا بانکپن

قافلے لٹتے تھے کل تک راہزن کے نام سے
راہبر کے رُوپ میں ہیں اب بھی کتنے راہزن

وہ محبت ہے نہ شیریں ہے نہ جوئے شیر ہے
کیوں عبث تحسین پھر سر پھوڑتا ہے تیشہ زن

مری رہ نوردیوں نے کبھی منزلیں نہ پائیں
کبھی زندگی نے مارا کبھی تم نے دل جلایا

غم آرزو سے بڑھ کر کوئی آرزو نہیں ہے
یہی مدعائے دل ہے جو نہ ہو سکا پرایا

نہ قرار زندگی کو نہ قیام، زندگی کو
یہ وہ موجِ مضطرب ہے جو نہ پا سکی کنارا

مری زندگی کو شاید ہے سدا ہی غم سے نسبت
مجھے دور دور پایا تو یہ پاس پاس آیا

تری انجمن میں ہمدم وہ شہیدِ ناز ہم ہیں
کبھی کشتۂ محبت کبھی بسملِ تمنا

یہ چمن چمن بہاریں یہ کلی کلی پہ رنگت
نہ بہار راس آئی نہ بسنت مجھ کو بھایا

یہ ہے زخمِ دل کا عالم کسے کیا بتائیں تحسین
کہیں تارے جگمگائے کہیں چاند مسکرایا

بجھتی نہیں پانی سے اِس دل کی لگی ساقی
بیمارِ تمنّا کی پھر پیاس بڑھی ساقی

پی پی کے بہکتے ہیں رندوں کے قدم ساقی
کیا ساتھ مرا دے گی یہ تشنہ لبی ساقی

ہم "دشتِ تمنّا" میں اس طرح بھٹکتے ہیں
ہر گام پہ ہوتی ہے توہینِ خودی ساقی

گلشن میں بہاروں نے سو طرح دہائی دی
اب تک ہے مرا دامن پھولوں سے تہی ساقی

آیا نہ ہنر ہم کو تزئینِ گلستاں کا
پتھر سے بھی ہوتی ہے آئینہ گری ساقی

پھولوں کی تمنّا میں کانٹوں سے نبھائی تھی
پھر بھی رہی حصّے میں دریوزہ گری ساقی

کتنوں نے اِدھر دیکھا کتنوں نے اُدھر دیکھا
تم نے بھری محفل میں کیا بات کہی ساقی

راس آئی نہ رندی بھی بیزار ہیں ہم مشرب
آشفتہ مزاجوں پر ایسی بھی پڑی ساقی

دل توڑ کے سنتے ہیں تحسین یہ سمجھینگے
اچھی نہیں لگتی ہے بیگانہ وشی ساقی

ابھی تک زندگی وابستۂ غم ہوتی جاتی ہے
شفق پر شام کی جوں زلف برہم ہوتی جاتی ہے

خدایا خیر ہو آشفتہ دل غنچوں کی حالت ہے
چمن میں چشم نرگس دیدۂ نم ہوتی جاتی ہے

خلش دل کی مداوائے غم دل ہوتی جاتی ہے
نگاہ لطف جیسے لطف پیہم ہوتی جاتی ہے

فریب شوق کہہ لوں لذت زخم جگر کہہ لوں
کہ ہر خواہش مرے زخموں کا مرہم ہوتی جاتی ہے

یہ میرا شوق سجدہ ہے کہ ہمدم آستاں تیرا
جبین شوق میری کس لیے خم ہوتی جاتی ہے

دل شوریدہ سر یہ کون سا عالم ہے الفت کا
کہ میری بے بسی ہی میری ہمدم ہوتی جاتی ہے

یہ ہے ویرانیٔ دل یا کشش، درد محبت کی
خلش پھر آرزو کی درد پیہم ہوتی جاتی ہے

سنتے تھے ہم کہ زیست غموں ہی کا نام ہے
رازِ حیات غم میں ترے ہم بھی پا گئے

احساسِ قُرب دل میں ہوا جلوہ آفریں
وہ دُور ہی سے رازِ محبّت بتا گئے

ہم نے قدم قدم پہ کیا خُونِ آرزو
راہِ وفا میں ہر طرح ہم کام آ گئے

دُہرائی جب بھی دل نے محبّت کی داستاں
محسوس یوں ہوا کہ پشیماں بنا گئے

آتی ہے ہر نفس سے مجھے بُوئے خونِ دل
جاتے ہوئے وہ شمعِ تمنّا بجھا گئے

یہ بھی ہے سادگیِ تخیل کا اک فریب
یوں جو سمجھ رہے تھے کہ ہم اُن کو پا گئے

اللہ رے کاروبارِ محبّت کا اختصار
وہ ایک ہی نگاہ میں اپنا بنا گئے

تحسین چارہ گر کی مسیحائی کے نثار
بیمارِ غم کو ایک نظر میں جلا گئے

موسم ہے سازگار غزل کہہ رہے ہیں ہم
دل پر ہے اختیار غزل کہہ رہے ہیں ہم

ذوقِ جنوں مآلِ خرد کچھ نہ پوچھئے
دامن ہے تار تار غزل کہہ رہے ہیں ہم

اپنی غزل ہے شاہدِ معنی بہار کی
پروردۂ بہار غزل کہہ رہے ہیں ہم

کہتے ہیں چشمِ نم سے غزل میں ہے زندگی
شاید ہیں دل فگار غزل کہہ رہے ہیں ہم

گلشن میں اب بھی دامنِ لالہ ہے داغ داغ
ہے زندگی سے پیار غزل کہہ رہے ہیں ہم

ویسے ہے نظمِ آئینۂ نظمِ گلستاں
پر ہو کے بے قرار غزل کہہ رہے ہیں ہم

چھڑتی ہے جب بھی اُن کی نگاہِ کرم کی بات
لگتا ہے بار بار غزل کہہ رہے ہیں ہم

بزمِ ادب، مقامِ غزل کون جانیئے
موتی سی آب دار غزل کہہ رہے ہیں ہم

بزمِ حیات انجمنِ دل نہیں رہی
تحسین ہے انتشار غزل کہہ رہے ہیں ہم

نظر میں منزلیں ہیں حدِ نقشِ پا ہی نہیں!
بلائیں اور بھی ہیں میرِ کارواں کے سوا

نظر کو دو تو سہی اِذنِ طاقتِ پرواز
ہیں آسمان زمیں پر بھی آسماں کے سوا

وہ زندگی نہ لو جو مانگ کر ملے تم کو
حیات لو جو ملے عمرِ جاوداں کے سوا

یہ کہہ دو ان سے کوئی دھڑکنیں نہیں گنتا
خِرد کے در پہ جنوں بھی ہے پاسباں کے سوا

زمانے بھر کی نگاہوں کی کیوں رہوں مرکز
فسانے اور بھی ہیں میری داستاں کے سوا

ہمیں تو جہدِ مسلسل سے پیار ہے تحسینؔ
عبث ہیں دوزخ و جنت بھی اس جہاں کے سوا

کائناتِ حسن میں اک بر ہمی پاتی ہوں میں
زندگی میں زندگی ہی کی کمی پاتی ہوں میں

دیکھئے یوں چھو نہ لیجئے دل کے تاروں کو مرے
آپ کی اُلجھی نگاہوں سے بھی گھبراتی ہوں میں

زخمِ دل زخمِ جگر کی بات پھر سے چھیڑئیے
ساز کے دلکش سُروں پر اب غزل گاتی ہوں میں

یہ گراں باریٔ منزل یہ تمنّائے حسیں
آپ کی پیہم نوازش کی قسم کھاتی ہوں میں

زندگی نے کیا دیا ہے مجھ کو اک غم کے سوا
زندگی میں رنگ بھر نے کب سے مُسکاتی ہوں میں

میں نے سجدوں پر نہیں رکھا مدارِ زندگی
زندگی میں بندگی کا راز پاجاتی ہوں میں

دہراؤ نہ آنکھوں سے بھولا ہوا افسانہ
لبریز نہیں ہوتا ٹوٹا ہوا پیمانہ

میخانۂ دوراں میں ہر شئے ہے ترے ساقی
اے کاش بہل جاتا میرا دلِ دیوانہ

کچھ سوز تو سینے میں اے شمع ترے بھی ہو
جلنے کو تو ویسے بھی جل جاتا ہے پروانہ

میخانۂ انساں میں ہے دل کی یہی عظمت
گہہ رندِ خراباتی گہہ کعبہ و بُت خانہ

خوشیوں سے کہیں بڑھ کر کچھ لذّتِ غم بھی ہے
ویران ہی رہنے دو، میرا دلِ دیوانہ

ایک احساسِ جواں اور حسیں اور جمیل
پا رہا ہے مرے دل اور جگر میں تشکیل

نو دمیدہ مرے گلشن کی چٹکتی کلیاں
کاش بن جائیں محبت کی حسیں تر تمثیل

خونِ دل سے میں لکھوں وعدۂ تحریرِ وفا
کاش ارشاد وہ فرمائیں کروں میں تعمیل

فخر حاصل ہے گلستاں کی سعادت کا مجھے
یہ جنوں ہے تو مجھے فرض ہے اس کی تکمیل

زندگی موت ہے ہر ایک تمنا کا حصول
مجھے منظور نہیں جذبۂ دل کی تذلیل

کوئی لمحہ تو کہیں زیست کا حاصل بن جائے
کوئی لمحہ تو نکل آئے مسرت کی سبیل

دل کہیں توڑ نہ دے رشتۂ نازک کی کمند
آپ کرتے ہی رہیں شرحِ وفا کی تاویل

ہم عنادل کہ فقط خاکِ چمن کی خاطر
ہم نے سوچا کہ کریں آپ میں خود کو تحلیل!

زندگی مٹتی رہی ہے داستاں کوئی نہیں
ہم نفس کوئی نہیں ہے ہم زباں کوئی نہیں

مہرباں کہیے کسے نامہرباں کس کو کہیں
صورتِ بیداد ہے آرام جاں کوئی نہیں

لمحہ لمحہ ہیں بہاریں، لمحہ لمحہ میں خزاں
فصلِ گل کچھ بھی نہیں، دورِ خزاں کوئی نہیں

زندگی موجِ بلا ہے زندگی سیلِ طرب
جیسے سب کچھ امتحاں ہے امتحاں کوئی نہیں

آپ سے ہم کو تقاضائے کرم بھی تو نہیں
صرف لگتا ہے کہ دل کا پاسباں کوئی نہیں

شعر کے خاکوں میں رنگِ زندگی بھرنا پڑا
چیستانِ شعر کیوں طرزِ بیاں کوئی نہیں

جب بھی چاہا زندگی سے ہم نے اس کا بانکپن
فاصلے بڑھتے رہے ہیں درمیاں کوئی نہیں

ہم فلک پر اُڑ رہے ہیں ذہن کی پرواز میں
فرش کی پہنائیوں میں آشیاں کوئی نہیں

آپ تحسینؔ انجمن ہیں آپ ہی تنہائیاں
حاصلِ غم حاصلِ عمرِ رواں کوئی نہیں

الجھی ہوئی ہوں کشمکشِ زندگی سے میں
گھبرا رہی ہوں زیست کی تشنہ لبی سے میں

ہر لمحۂ حیات مرا مجھ پہ بار ہے
بیگانہ ہو چلی ہوں بہت زندگی سے میں

پہلی سی اضطراب میں شدّت نہیں رہی
مانوس ہو چلی ہوں غمِ زندگی سے میں

دورِ نشاط باعثِ شرمندگی نہ ہو
خائف ہوں اپنی زیست کی ہر سرخوشی سے میں

تیرے ستم کا مجھ کو نہیں آج بھی گلہ
افسردہ ہوں حیات کی افسردگی سے میں

تحسین ہو چلا ہے دلِ چاک بھی رفو
تنگ آ چکی ہوں روح کی آشفتگی سے میں

بازآ ؤ نا! جفاؤں سے ستم ہے دیکھو
داغِ دل، داغِ جگر وجہِ کرم ہے دیکھو

تم گئے ہو تو زمانہ ہی چھٹا جاتا ہے
زندگی جیسے کہ وابستۂ غم ہے دیکھو

ہر گھڑی رہتے ہو دامانِ یقیں سے بندھ کر
یہ سہارا بھی مرے واسطے کم ہے دیکھو

کوئی جچتا ہی نہیں آج نگاہوں میں کہیں
ورنہ ہر جام یہاں ساغرِ جم ہے دیکھو

کہہ دیا تھا کہ فریبِ غمِ ہستی ہی سہی
میری دنیائے محبّت پہ کرم ہے دیکھو

دل کو رونے دو مگر آنکھ نہ روئے تحسینؔ
یہ محبّت ہے محبّت کا بھرم ہے دیکھو

ہوسِ گُل نہ رہے خواہشِ گُلشن نہ رہے
زخم ہنس ہنس کے جو اس طرح گلستاں ہو جائے

دل یہ کہتا ہے کہ پامالِ تمنّا ہوں میں
ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر زخم نمکداں ہو جائے

کم سے کم اتنا تو جینے کا سلیقہ آئے
خود سفینہ مرا ساحل سے گریزاں ہو جائے

عمر بھر ہوش سے بیگانہ رہوں میں ہمدم
گر یہ مشکل ہے تو مشکل نہ یہ آساں ہو جائے

چاند سے آنکھ ملاتے یہ تکلّف زاہد
نہ کسی کو ہوسِ پاکیٔ داماں ہو جائے

عمرِ طبعی کی علامت ہے فقط اتنی سی
شمعِ محفل میں جلے اور فروزاں ہو جائے

اُن پہ مرنے کی ادا سیکھ لی ہم نے تحسینؔ
زندگی یوں کسی افسانے کا عنواں ہو جائے

ہر عشق کے حصّے میں کہاں کوہ کنی ہے
فرہاد سے پوچھے کوئی کیا تیشہ زنی ہے

گُلشن میں گُلوں پر ہے بہاروں کی عنایت
کانٹوں کا مقدّر ابھی جو ہے سو وہی ہے

پہلے بھی ہمارے تھے وہ ہم اب بھی ہیں ان کے
پر آنکھ ابھی مائل بیگانہ وشی ہے

ساغر نے چھلک کر یہ دی سو بار دہائی
پیتے تو ہو اک گونہ ابھی تشنہ لبی ہے

کچھ رسم زمانہ بھی ہے کچھ رسمِ وفا بھی
کچھ عشق کے دستور میں بیگانہ روی ہے

ہر عزم جواں آج بھی منزل کا نشاں ہے
ہر گام ابھی مرحمتِ تشنہ لبی ہے

یاں رسمِ جہانگیری بھی ہوتی ہے فقیری
اس دشت کی سیاحی میں ہر رسم نئی ہے

انداز تو ان کے تھے محبّت کے سے انداز
کس کو تھی خبر جذبِ محبّت میں کمی ہے

کچھ یاد تو تحسیں ستاتی ہے انھیں بھی
اے جوششِ وفا دیکھ تری بے صبری ہے

تیرا نیازِ عشق بھی کم نہیں نازِ حسن سے
پھر یہ تغافلِ حزیں ہم پہ ستم سے کم نہیں

درد نہیں اثر نہیں ربط نہیں فغاں نہیں
نغمۂ جاں گداز یہ سوزِ الم سے کم نہیں

جلوۂ خود سری سہی ان کی جبینِ شوق میں
اپنا بھی سنگِ آستاں دیر و حرم سے کم نہیں

روح کا اضطراب یہ چشم کی یہ فسردگی
آج بھی میری خامشی سوزِ الم سے کم نہیں

آنکھ بھری ہوئی تو ہے اشک رکیں نہ بہہ سکیں
قطرۂ نیم جاں یہ نالۂ غم سے کم نہیں

ظلم نہیں ستم نہیں قہر نہیں جفا نہیں
پھر بھی سکوتِ آرزو تیغِ دو دم سے کم نہیں

آپ جو حسنِ ناز کو کہتے ہیں خود سری سہی
حسنِ نظر کا بانکپن جاہ و حشم سے کم نہیں

تلخیِ انجامِ اُلفت کے اثر کو بھول جا
بھول جا اے دل فریبِ چشمِ تر کو بھول جا

لُٹ گئی جس راہ میں تیری متاعِ آرزو
تو بھی اے جوشِ وفا اُس رہگزر کو بھول جا

ٹھوکریں کھائے گا کب تک جستجوئے شوق میں
اے دلِ شوریدہ سر اُس فتنہ گر کو بھول جا

جستجوئے شوق تھی جب زندگانی کا ثبات
بھول سکتی ہو تو اس شام و سحر کو بھول جا

کیا خبر آ گے کوئی منزل بھی آئے گی کبھی
بھول جا اس اپنے بے منزل سفر کو بھول جا

کب تک آخر لذتِ زخمِ جگر کے تذکرے
بھول جا تیرِ نظر کو چارہ گر کو بھول جا

وہ سہانی صبح وہ نورس شگوفوں کی چٹک
کیف کی اس زندگیٔ مختصر کو بھول جا

بن رہے گا آشیاں تحسینؔ نئے انداز سے
ہو سکے تو جلوۂ برق و شرر کو بھول جا

کون ہے جس نے چھین لی مجھ سے
میرے صبر و قرار کی دُنیا

رنج و غم فُرقت و الم کے سوا
کچھ نہیں خاکسار کی دُنیا

اک تری یاد کے عوض جو ملے
لوں نہ ہرگز قرار کی دُنیا

داغِ دل ہی ہمیں نصیب رہیں
کون لے لالہ زار کی دُنیا

کس قدر خُوشگوار تھے وعدے
عارضی، اعتبار کی دُنیا

دلِ شوریدہ میں سُکون کہاں
رہتی ہے اِنتشار کی دُنیا

کیا کرے کوئی لے کے اے تحسینؔ
اِس دلِ زار زار کی دُنیا

ہر دم خیالِ وحشتِ اہلِ خرد رہا
ہم چاک چاک اپنا گریباں نہ کر سکے

ویسے وفورِ درد سے دل بجھ گیا مگر
ہم بے خودیٔ شوق کو ارزاں نہ کر سکے

امیدِ التفات میں عمرِ رواں گئی
کشتی سپردِ سازشِ طوفاں نہ کر سکے

اک قصۂ الم ہوئی پچھلے پہر کی بات
آساں درازیٔ شبِ ہجراں نہ کر سکے

یوں ہر قدم پہ ٹھوکریں ملتی رہیں مگر
ہم زندگی کو خوابِ پریشاں نہ کر سکے

ملتا رہا وفا سے جفاؤں کا سلسلہ
ہم خونِ دل کو سرخیٔ داماں نہ کر سکے

تحسین بغیر غم کے خوشی کامراں نہ تھی
خوشیوں سے غم کو ہم بھی گریزاں نہ کر سکے

گلوں کی بزم میں اہلِ چمن کی آزمائش ہے
بہ ہر شاخ و شجر دار و رسن کی آزمائش ہے

لبِ ساحل نہ ڈوبی کشتیٔ عمرِ رواں اپنی
بھنور میں ہمتِ طوفاں شکن کی آزمائش ہے

اُڑانا چاہتا ہے دستِ گلچیں بھی زرِ گل کو
خزاں کا دور، چاکِ پیرہن کی آزمائش ہے

سراغِ جوئے شیر، اب ہے نہ دستِ تیشہ ور ساقی
نہ جانے کیوں ابھی تک کوہکن کی آزمائش ہے

لٹا کر خود کو اس محفل سے تحسیں ہم تو لوٹ آئے
ہمارے بعد اہلِ انجمن کی آزمائش ہے

اِس گردشِ دوراں میں کتنے افسانے بدل بھی جاتے ہیں
جب بادِ مخالف چلتی ہے دیوانے بدل بھی جاتے ہیں

اُمیدِ وفا کیا رندوں سے جب دل کے تقاضے تشنہ ہوں
ساقی و صراحی کیا معنی پیمانے بدل بھی جاتے ہیں

برباد خزاں میں پنہاں اک انجام بہاراں ہوتا ہے
طوفاں کی زد میں آ آ کر غم خانے بدل بھی جاتے ہیں

جب راہِ طلب ہو اور کٹھن کچھ شوقِ طلب بھی بڑھتا ہے
گلشن کی بہاروں کی خاطر ویرانے بدل بھی جاتے ہیں

گم کردۂ منزل تیرے لیے اک راہِ تمنّا یہ بھی ہے
کچھ وجہِ سکونِ دل بن کر ہنگامے بدل بھی جاتے ہیں

خمِ گیسو کی طرح اور نہ خمِ دل کی طرح
ہم نے چاہا ہے تمہیں عمر کے حاصل کی طرح

دل اگر ڈوبے تو تا حشر نہیں ابھرے گا
مہر و خورشید کہاں ڈوبیں گے اس دل کی طرح

قدم اٹھتے ہیں تو بے باک ارادوں کی قسم
حادثے سہل ہوئے جاتے ہیں مشکل کی طرح

اب وہ رہبر نہ وہ کشتی نہ وہ ساحل نہ وہ دل
نقشِ پا ڈھونڈ رہے ہیں تجھے منزل کی طرح

کم سے کم اپنی جفاؤں پہ پشیمان تو ہیں
سامنے میرے وہ آئے تو ہیں قاتل کی طرح

وہ ضیائے تابِ نظارہ نہ وہ بھیگی راتیں
چاند افسردہ ہے اب ٹوٹے ہوئے دل کی طرح

لاکھ طوفاں ہیں بپا قلب و نظر میں اب بھی
ہم گلے ان کو لگا لیتے ہیں ساحل کی طرح

باز آئے ہیں ہم اس شیشۂ دل سے تحسین
کاش پتھر ہی یہ ہو جائے کسی دل کی طرح

ہر جورِ ناروا کے مقابل رہے ہیں ہم
وجہ شکستِ شیوۂ قاتل رہے ہیں ہم

ہر راستے پہ ہم ہی رہے میرِ کارواں
رہبر رہے ہیں ہم کبھی منزل رہے ہیں ہم

ہیں آج بھی یقین تمہاری نظر میں ہم
ہر دور میں حیات کا حاصل رہے ہیں ہم

مونس نہیں رفیق نہیں ہم زباں نہیں
خود اپنی ایک ذات سے محفل رہے ہیں ہم

کیوں آج ہم سے سارے زمانے کو ہے گلہ
مدت تلک نشاطِ غمِ دل رہے ہیں ہم

بدنام تُو نہ ہو' مجھے مٹنے کا غم نہیں
اک عمر' تشنہ لب' لبِ ساحل رہے ہیں ہم

وہ زندگی کہ فرصتِ ہر دو نفس رہی
آپ اپنے ہی وجود سے غافل رہے ہیں ہم

چمکا گئے ہیں بزم میں ذرّوں کے درمیاں
تاروں کے درمیاں مہِ کامل رہے ہیں ہم

غموں نے چھین لی بڑھ کر خوشی ہر گوشۂ دل سے
تو باغِ عشق میں بن کر بہارِ بے خزاں آجا

کھٹک ہر دم تنفس کی پیامِ مرگ دیتی ہے
سرِ بالیں مرے بن کر حیاتِ جاوداں آجا

غزل جو تو نے چھیڑی تھی محبت کے فسانے کی
ابھی لرزش ہے تاروں کو نئے مرے نغمہ خواں آجا

تمنا تشنہ لب، رنجور حسرت سوزشِ پیہم
تو جامِ شوق میں بن کر شرابِ ارغواں آجا

وہ دل گہوارۂ الفت، وہی رشکِ جناں جو تھا
تسلط ہے خزاں کا اے بہارِ بوستاں آجا

یہاں ہیں طعنہ زن اکثر نہیں غم کے شناسائی
نہ سمجھیں گے بیاں اپنا تو ہی اے رازداں آجا

وہ ہوس پرستی ہے یہ ہیں دل کے کاشانے
کیا مآلِ دل ہوگا یہ تو بس خدا جانے

وہ پردے کے رکھ لیں یا جذبِ دامنِ دل ہوں
ہم تو پیش کرتے ہیں آنسوؤں کے نذرانے

وہ تعلقِ غم بھی تلخ سی حقیقت تھی
مختصر ہوئے خود ہی زندگی کے افسانے

ہم سے پوچھتے کیا ہو شورشِ غمِ ہستی
وحشتوں کے ساماں ہیں زندگی کے ویرانے

صورتِ تباہی ہیں ڈھیر دل کے ٹکڑوں کے
کس نے ڈھا دیئے ہونگے یہ حسین صنم خانے

رند ہیں نہ مشرب ہیں اور نہ ساقیِ دوراں
ہم نے بند کر ڈالے انکھڑیوں کے مے خانے

ہے گداز دل ہی تو درد سے بھرا ہوگا
ضبط سے چھلک اٹھے آج چند پیمانے

حالِ غم ابھی کچھ ہیں میرے پوچھنے والے
گاہے گاہے ملتے ہیں اب بھی چند دیوانے

کس قدر بھیانک ہیں وقت کے تقاضے بھی
آج تجھ بن اپنے بھی لگ رہے ہیں بیگانے

چاندنی رات ہے تاروں کا جہاں ہے اے دوست
زندگی ساحلِ دریا پہ رواں ہے اے دوست

اشک شوئی کے لئے اب بھی ہیں دامن لرزاں
زندگی آج بھی اک خوابِ گراں ہے اے دوست

اب بھی مایوس ہیں وابستۂ تقدیر ہیں دل
اب بھی اٹھتا ہوا سینے سے دھواں ہے اے دوست

کتنے بے رنگ سے خاکوں میں لہو بھرتی ہوں
دل کی دھڑکن سے مرا رشتۂ جاں ہے اے دوست

دل کے داغوں ہی سے تزئین گلستاں کی ہے
قابلِ دید بہاروں کا سماں ہے اے دوست

جبر کیا چیز ہے بے داد کی قیمت کیا ہے
ذہن آزاد ہے احساس جواں ہے اے دوست

دشت تو دشت تھا گلشن میں بھی وحشت سی ہے
کارواں کونسی منزل میں رواں ہے اے دوست

یہ نیا سال ہے نکھری ہوئی فکروں کا امیں
یہی سرمایہ یہی گنجِ گراں ہے اے دوست

آہ جیسے دل کے زخموں کو ہوا دیتی رہی
اور روشن یہ چراغِ رہ گزر ہوتے گئے

بن کے حسرت رہ گئی آنکھوں میں پھر تعبیرِ شوق
لمبے کبھی افسانے خود ہی مختصر ہوتے گئے

دل میں ایسے آ بسے کہ جزوِ ہستی ہو گئے
پھر نگاہوں میں مری وہ خوب تر ہوتے گئے

داغ حسرت یوں ملے عمر گریزاں سے مجھے
نالۂ دل، چشمِ پُرنم چارہ گر ہوتے گئے

جب بھی چاہا آپ نے وجہ توجہ بن سکوں
اور گہرے یہ مرے زخمِ جگر ہوتے گئے

رفتہ رفتہ اپنی راہیں یوں الگ سی ہو گئیں
آپ سے ہم آپ ہم سے بے خبر ہوتے گئے

جب بھی قاتل نے لگائی ضرب کاری ایک اور
اور جینے کے تقاضے معتبر ہوتے گئے

کچھ اس طرح خیال کے تم روبرو رہے
جیسے شباب و شعر کی محفل سجی رہی

تم نے تو زندگی کو کئی بانکپن دیئے
ماتم کناں حیات کی دوشیزگی رہی

وہ میری کائنات پہ چھاتے چلے گئے
ناسور بن کے وقت کی بخیہ گری رہی

کیا کیا نہ طے کئے ہیں شبِ غم کے مرحلے
کیا کیا نہ زندگی سے مری دشمنی رہی

یونہی چراغِ آرزو ہنس کر جلا دیا
ان کی نگاہِ شوق جو ساغر بنی رہی

بجھتے ہوئے چراغ کہیں کہکشاں رہے
دھندلا سا اک غبار کہیں چاندنی رہی

ساقی ترے کرم سے شکایت نہیں مجھے
تو نے پلا پلا بھی دی، مجھے تشنگی رہی

دل کو خرد نے لاکھ دہائی دی یوں مگر
ان کے خیال سے ہمیں وابستگی رہی

زخمِ حیات بن کے رہے زخمِ کائنات
تھیں سحر سے شام کی تابندگی رہی

جلوے ترے ہوں مجھ کو تری جستجو نہ ہو
اِتنی پلا کہ حاجتِ جام و سبو نہ ہو

دِل میں ترا خیال ہو آئینۂ جمیل
تصویر تیری گرچہ مرے روبرو نہ ہو

نرگس کی آنکھ بن نہ سکی روحِ عندلیب
وہ گُل ہی کیا کہ جس میں کوئی رنگ و بو نہ ہو

تشنہ ہر ایک آرزوئے بے ثبات ہے
تکمیل وہ نہیں ہے جہاں تو ہی تو نہ ہو

موجوں کو آپ قربتِ ساحل ہی جانئے
وہ آرزو نہیں جو غمِ آرزو نہ ہو

یہ جبر بھی گوارہ کیا ہے کبھی کبھی
بیٹھیں وہ سامنے ہوں مگر گفتگو نہ ہو

ہر شمع بجھا دی ہے ہر خواب جلایا ہے
حالات نے یوں دل کو ویرانہ بنایا ہے

میں نے تو چھپایا تھا اشکوں کو تبسم میں
دُنیا نے مرے غم کو افسانہ بنایا ہے

احباب بھی اپنے تھے اغیار بھی اپنے تھے
کس کس کو رقیبوں نے بیگانہ بنایا ہے

کچھ دُور چلے ہیں وہ، جو ساتھ کبھی میرے
لوگوں نے کہا ہے کہ دیوانہ بنایا ہے

جیتے ہیں کہ جینا بھی سُنتے ہیں عبادت ہے
ورنہ ہمیں اپنوں نے کیا کیا نہ بنایا ہے

تخئیل میں ڈھالے ہیں کتنے ہی صنم ہم نے
کعبہ نہیں بنتا تھا بت خانہ بنایا ہے

ہر شئے کو جگہ دی ہے جز گردِ کدورت کے
ہم نے دِلِ محزوں کو آئینہ بنایا ہے

لوگوں کو شکایت ہے، ہے غمزۂ تُرکانہ
گو وضع ہے رِندانہ، شاہانہ بنایا ہے

ہم نے سوچا تھا بہاروں میں کھلے گا گلشن
زندگانی کی کڑی دھوپ ہے آنگن آنگن

پھول مرجھائے ہیں منہ بند ہیں ساری کلیاں
خالی خالی ہے یہاں آج بھی دامن دامن

کتنا پرجوش تھا یہ سپنوں کا حسیں تاج محل
نیند ٹوٹی ہے تو دھندلایا ہے نینا درپن

کتنے بے باک ارادوں سے اٹھائے تھے قدم
کتنا افسردہ سا ہے آج بہاروں کا چلن

وقت کے ساتھ بدلتے ہوئے چہرے دیکھے
جیسے اٹھتی گئی ہر چہرے سے چلمن چلمن

کتنی خاموش ہے دُنیا مری طوفانوں میں
جیسے چپ چاپ ہوں اصنام، صنم خانوں میں

کیسا سناٹا ہے آہٹ نہ صدا ہے کوئی
رقص کرتے ہیں بگولے بھی تو ویرانوں میں

وہ بہت دور کہیں جیسے کرن لہرائی
رنگ بھرنے لگا کوئی مرے افسانوں میں

زندگی خار بداماں ہے چمن میں اب بھی
قافلے اب بھی بھٹکتے ہیں بیابانوں میں

خونِ دل نذر کیا ہم نے چمن کی خاطر
رنگ سب بھر دیئے ہیں آپ کے پیمانوں میں

اب نہیں آتے وہ کیوں سعیٔ کرم کی خاطر
جان دینے کا تھا ارمان بھی پروانوں میں

کون ہے اپنا کون پرایا رشتوں کے تانوں بانوں میں
کس کو کھویا کس کو پایا اِن انجانی پہچانوں میں

گلشن گلشن آگ لگی ہے دامن دامن پھول کھلے ہیں
اوس پڑی ہے میرے دل کے سلگے سلگے ارمانوں میں

سونے سونے من مندر میں کوئی پیہا آگ لگے ہے
دیر سے کھوئی بیٹھی ہوں میں جانے کیوں مسکانوں میں

برکھا آئی ساون آیا یگ بیتے تم نہیں آئے
سوکھ رہی ہیں کلیاں ساری کاٹھی رکھی گلدانوں میں

رم جھم رم جھم انکھیاں برسیں جل تھل جل تھل ساگر سارے
پیا سے نیناں کھوجیں تم کو اپنوں میں انجانوں میں

ہولے ہولے کون پرائے سپنوں کے سنگھاسن پر
چاندنی جیسے چپ چپ اترے اُجلے اُجلے دالانوں میں

جب جب دو دل مل بیٹھے ہیں جگ نے کیا کیا نام دیا ہے
اول اول خاکے کھینچے پھر رنگ بھرا افسانوں میں

کس کی کھیتی کون ہے مکھیا ترسیں دانے دانے کو
بھوکوں مرتے ہم نے دیکھا کھیتوں میں کھلیانوں میں

ساری محفل روشن روشن سب دیوانے سب پروانے
تیری دنیا گھور اندھیرا اتنی میں بادہ خانوں میں

ہوتی رہی ہے پرسشِ پنہاں کبھی کبھی
اُٹھتا ہے دِل میں درد کا طوفاں کبھی کبھی

یکساں نہیں رہا تری فرقت میں دل کا حال
بڑھتی رہی ہے سوزشِ پنہاں کبھی کبھی

حسنِ خرامِ یار کا وہ رنگ احتیاط
ہوتا رہا جمود کا امکاں کبھی کبھی

آتا ہے یاد آج بھی وہ رنگ التفات
رُکتی ہے اب بھی گردشِ دوراں کبھی کبھی

تو نے یہ کیا کہا مجھے احساسِ غم نہیں
یونہی بھڑک اُٹھی ہے رگِ جاں کبھی کبھی

زندگی ساحل پہ موجِ بیکراں ہوتی گئی
میری عمرِ مختصر اک داستاں ہوتی گئی

نقشِ آزر رفتہ رفتہ اس طرح مٹتے گئے
اور ہر شکلِ بتاں ترانۂ نہاں ہوتی گئی

ہم بھی اپنے آپ سے ہوتے گئے کچھ بے خبر
مہرباں اُن کی نظر نامہرباں ہوتی گئی

نقشِ ہستی بنتے بنتے نقشِ فریادی بنا
خوبصورت زندگی سود و زیاں ہوتی گئی

میری تسکینِ دلِ محزوں کا تشنہ ہی رہی
آپ کی سعیٔ کرم رائیگاں ہوتی گئی

اوّل اوّل دل نے ہر نقشِ قدم کی خاک لی
اُن کے کوچے کی زمیں پھر آسماں ہوتی گئی

شورِ ماتم محفلِ ہستی میں بڑھتا ہی گیا
آپ کی قاتل ادا خوابِ گراں ہوتی گئی

دل کا شوقِ پائمالی اور دونا ہو گیا
بات جب اہلِ وفا کی امتحاں ہوتی گئی

کلبۂ احزاں میں تحسیں جل اُٹھے کتنے دیے
یاد جب آ کے اُن کی مہماں ہوتی گئی

دل میں کانٹا سا چبھ کے ٹوٹ گیا
"رنگ بن کے بکھر گیا کوئی"

مضطرب میری ان نگاہوں میں
غم و اندوہ بھر گیا کوئی

اپنا دامن چھڑا کے یوں مجھ سے
مجھ کو برباد کر گیا کوئی

میرے لیے رنگ خوابزاروں میں
رنگِ احساس بھر گیا کوئی

کون جانے کدھر سے آیا تھا
کون جانے کدھر گیا کوئی

شام کے سرمئی دھندلکوں میں
جیسے آ کر گزر گیا کوئی

میری آنکھوں میں بن گیا کاجل
زلف بن کر سنور گیا کوئی

دل میں آ بستے ہو انجان خیالوں کی طرح
نقش بن بن کے اُبھرتے ہو سوالوں کی طرح

بے رُخی کا کوئی الزام ہمیں یوں تو نہ دو
تم نے چاہا ہی نہیں چاہنے والوں کی طرح

ہم نے اُجیالی ہے ہر غم سے حیات تشنہ
ہنستے ہنستے غم کو اُٹھایا ہے جیالوں کی طرح

اُف یہ بے کیف شب و روز یہ جلتے لمحے
شب تاریک میں جیتے ہیں اُجالوں کی طرح

چند یادیں ہی سہی عمر کا سرمایہ ہیں
ہم چھپائے ہیں جنھیں سینے میں چھالوں کی طرح

یاد ایسے بھی کبھی آپ کی آئی ہے ہمیں
چند لمحات گزارے ہیں کئی سالوں کی طرح

زہر گھُلتا رہا اخلاص کے پیمانوں میں
زہر پیتے رہے امرت کے پیالوں کی طرح

کاش آ سکتے پلٹ کر اک بار وہ دنیا میں مری
جن کو چاہا تھا کبھی ہم نے مثالوں کی طرح

کون ہوتا ہے زمانے میں کسی کا تحسین
سب نے چھوڑا ہے ہمیں چھوڑنے والوں کی طرح

چراغ دل کے اب آہوں میں جل بھی سکتے ہیں
یہی فسانے حقیقت میں ڈھل بھی سکتے ہیں

یہی ہے اب بھی جو منزل کا عزم مستحکم
یہ لڑکھڑائے قدم پھر سنبھل بھی سکتے ہیں

ہمارا عزم ہے خود ایک منزلِ مقصود
ہجومِ یاس میں ارماں نکل بھی سکتے ہیں

خزاں نے خاک اڑائی تو ہے چمن میں مگر
اسی زمین سے گل پھر نکل بھی سکتے ہیں

وہی ہے دل جو مچل جائے دردِ انساں سے
کسی کے ناز پہ یوں دل مچل بھی سکتے ہیں

ہجومِ موج میں ساحل کی جستجو ہو اگر
نوشتے اپنے مقدر کے ٹل بھی سکتے ہیں

قدم قدم پہ سسکتی جوانیاں ہیں گواہ
نشاطِ عیش میں ارمان پل بھی سکتے ہیں

خزاں سے پھول اگر منتشر ہوئے کیا غم
چمن کے خار گلوں میں بدل بھی سکتے ہیں

وہی ہیں مرجعِ تحسین اب زمانے میں
جو اونچ نیچ پہ راہوں کی چل بھی سکتے ہیں

ابھی تک شورِ پیہم ہے خراجِ زندگی کب تک
نوائے مفلسی ہوگی رہینِ زرگری کب تک

تکبّر خندہ زن کب تک جبینِ خاکساری پر
زمیں کے ریگ زاروں پہ فلک کی برہمی کب تک

منوّر کاخ و ایواں ہیں چراغِ خونِ مفلس سے
بلائے جانِ مفلس پردہ ہائے مفلسی کب تک

ابھی تو رنگ لاتا ہے جنونِ رہ نوردی کو
ہماری آبلہ پائی تمہاری رہزنی کب تک

ستارہ صبح کا چمکا وداعِ ظلمتِ شب ہے
سسکتی ظلمتوں کی یہ صدائے جانکنی کب تک

مسلسل جبرِ طوفاں ہے مسلسل برق و باراں ہے
ہوائے تند میں ہمدم چراغِ زندگی کب تک

تبسّم ریز نظروں میں تلاطم خیز خاموشی
نیازِ بندگی میں بھی تلاشِ سرخوشی کب تک

وفاؤں سے ہمیں الفت جفاؤں پر تمہیں ایماں
وفائے جذبِ پیہم سے تمہاری دشمنی کب تک

چمن والوں نے لوٹا ہے چمن کے ذرّے ذرّے کو
چمن میں لوٹ کر آئے گی تحسیں زندگی کب تک

کسی بستی کے جب مجھ کو اُجالے یاد آتے ہیں
کلس آنکھوں بڑا چبھتے ہیں شوالے یاد آتے ہیں

گذاری ہے بہت ہنس ہنس کے میں نے ہنسنے والوں میں
لگے جب ٹھیس دل کو دل کے چھالے یاد آتے ہیں

مجھے وہ چاندنی راتیں کہانی اک سناتی ہیں
حسیں وعدوں کے وہ رنگیں حوالے یاد آتے ہیں

نہ وہ دن ہیں نہ وہ راتیں نہ وہ موسم نہ برساتیں
مگر اب بھی مرے سب ملنے والے یاد آتے ہیں

مجھے لگتا ہے نسبت ہے ابھی اُن مرغزاروں سے
وہاں کے جب مناظر دیکھے بھالے یاد آتے ہیں

مرنے کا مجھے غم ہے نہ جینے کی خوشی ہے
یہ زندگی کس موڑ پہ اب آکے رُکی ہے

آباد ہے اک درد کی دُنیا مرے دل میں
کھُلتا نہیں کب اور کہاں چوٹ لگی ہے

اک شخص کہ برسوں کا شناسا جو رہا ہے
اس شخص کی ہر بات ابھی تک بھی نئی ہے

دیوانے کا تم نے جو مجھے نام دیا ہے
اس نام سے دنیا مجھے پہچان رہی ہے

وہ نقشِ وفا ہم سے مٹائے نہیں جاتے
آئینۂ ادراک پہ کچھ دھول جمی ہے

جلتا ہوا لگتا ہے، مجھے اپنا سراپا
دامانِ محبت میں کہیں آگ لگی ہے

تھا درد کا رشتہ جو کسی دل سے ہے باقی
ٹوٹی ہوئی یہ شاخ ابھی تک بھی ہری ہے

وہ رُت ہے نہ برسات نہ ساون نہ نشیمن،
لیکن دلِ دیوانہ کا انداز وہی ہے

کچھ دیر ابھی دُور کہ ہے سجدہ گہہ شوق

ہر روز ہم پہ ایک قیامت گذر گئی
یہ زندگی ہماری تو بے موت مر گئی

ہم چل پڑے تھے حوصلۂ دل کے ساتھ ساتھ
اس حوصلے کی بات بھی جانے کدھر گئی

رنگت کلی کی پھول کی خوشبو چمن کی بات
سب تھے اُداس جن پہ ہماری نظر گئی

ان سے ملیں کہ بات کریں مدّعا کہیں
اس کشمکش میں لذّت خوابِ سحر گئی

ان کے حضور اپنی زباں کھُل نہیں سکی
اک جنبشِ نگاہ کہ سو کام کر گئی

ماضی کی سلگی سلگی سی یادوں کے درمیاں
اک عمرِ جاوداں ہے کہ جیسے ٹھہر گئی

ہم تجھ سے دور ہو کے ہوئے ہیں قریب تر
ہر راستے سے ہو کے تری رہ گذر گئی

تحسینؔ ہم تو آج بھی صحرا نورد ہیں
نادیدہ فصلِ گل ہمیں دیوانہ کر گئی

بہتے رہے آنکھوں سے جو اشکوں کے خزینے
لٹ جائیں گے ارمانوں کے انمول سفینے

بیگانۂ اسرار زمانہ تھے جو کل تک
سکھلا دیئے ہم نے انھیں جینے کے قرینے

عنوان یہاں زیست کے اکثر یہ رہے ہیں
تپتی ہوئی آہیں کہیں جلتے ہوئے سینے

گمبھیر اندھیروں میں، اُجالوں کی طلب میں
راہوں میں گذارے ہیں کئی سال مہینے

منجدھار میں ہوتے ہی ہیں طوفان ہزاروں
ساحل نے ڈبوئے ہیں کئی دل کے سفینے

کیا چیز ہیں ہم بھی یہ بتا دیں گے جہاں کو
دے کر تو ذرا دیکھے یہ دُنیا ہمیں جینے

مستوں میں خرابات کے وہ بات نہیں ہے
میخانے میں دیکھے کوئی ساقی کے قرینے

تحسینؔ بنا رکھی ہے کیا آپ نے حالت
جڑتے تھے کبھی آپ کے آنچل میں نگینے

چونکے نہ تھے فریبِ تخیّل سے ہم ابھی
خود آکے حسرتوں کا وہ طوفاں اُٹھا گئے

سُنتے تھے ہم کہ زیست غموں ہی کا نام ہے
رازِ حیات غم میں ترے ہم بھی پا گئے

احساسِ قُرب دل میں ہوا جلوہ آفریں
وہ دُور ہی سے رازِ محبّت بتا گئے

ہم نے قدم قدم پہ کیا خونِ آرزو،
راہِ وفا میں ہر طرح ہم کام آ گئے

آتی ہے ہر نفس سے مجھے بوئے خونِ دل
جلتے ہوئے وہ شمعِ تمنّا بجھا گئے

اللہ رے کاروبارِ محبّت کا اختصار
وہ ایک ہی نگاہ میں اپنا بنا گئے

بد قسمتی تھی اپنی کہ دامن نہ بھر سکے
خوشیوں کا وہ تو یوں بھی خزانہ لٹا گئے

تحسین چارہ گر کی مسیحائی کے نثار
بیمارِ غم کو ایک نظر میں جِلا گئے